Research Journal Ulum-e-Islamia
Journal Home Page: https://journals.iub.edu.pk/index.php/Ulum-e-Islamia/
E-Mail:muloomi@iub.edu.pk ISSN: 2073-5146(Print) ISSN: 2710-5393(Online)
Vol.No: 33, Issue:01. (Jan-Jun 2026) Date of Publication: 23-03-2026
Published by: Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur

کلام میں اصلاحِ تعبیر کے نبوی مَنہج کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

The Prophetic Approach to Rectifying Terminology: A Scholarly Investigation

Dr. Ilyas Ahmad
Lecturer, Islamic Studies, SBB University Sheringal, Dir Upper KP (PAK). Email of Corresponding author: Ilyasahmad99@gmail.com
Dr. Aftab Ahmad
Assistant Professor, Islamic Studies, SBB University, Sheringal, Dir Upper KP (PAK). Email: dr.aftabahmad@sbbu.edu.pk
Mr. Fida Muhmmad
MPhil Scholar, Islamic Studies Department, SBB University, Sheringal, Dir Upper KP (PAK). Email: fidamuhammad5010@gmail.com

Abstract:
This research paper explores a pivotal dimension of the Prophetic (PBUH) educational system, categorized as "Linguistic Refinement "(*Islah-e-Tabeer*) and "Refining Discourse." The primary objective is to highlight the methodologies through which Prophet Muhammad (PBUH) replaced ignorant, polytheistic, and psychologically negative expressions with alternatives that safeguard the Oneness of God (*Tawheed*) and human dignity. Employing a descriptive and analytical research methodology, the study examines selected instances from the Holy Quran and authentic Hadith sources where the Prophet (PBUH) directly intervened in language usage. The core discussion is structured into four major dimensions: creedal and faith-based rectifications (e.g., the structural transition from *Waw* to *Thumma* ,(refinement of psychological states (substituting *Khabith* with *Laqis* ,(intellectual re-formation of social terms (redefining *Raqoub* and *Sur'ah* ,(and the correction of communicative and legal terminology. The findings demonstrate that the Prophetic (PBUH) reformative approach was not merely a linguistic correction but a holistic transformation of thought and perception. By utilizing the 'Principle of Substitution,' 'Linguistic Psychology,' and 'Conceptual Re-contextualization,' the Prophet (PBUH) established a communication system that ensures self-esteem and social harmony. The study concludes that adhering to this Prophetic model is essential for addressing contemporary linguistic challenges and communication crises in the digital era.

Keywords: Rectifying Terminology, Prophetic Methodology, Linguistic Refinement, Communication Ethics, Behavioral Training, Creedal Protection

ملخص:
زیرِ نظر مقالہ نبوی نظامِ تربیت کے اس اہم پہلو کا احاطہ کرتا ہے جسے "اصلاحِ تعبیر" اور "تہذیبِ لسان" کہا جاتا ہے۔ تحقیق کا بنیادی مقصد ان اسالیب کو اجاگر کرنا ہے جن کے ذریعے نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے جاہلی، مشرکانہ اور نفسیاتی طور پر منفی تعبیرات کی جگہ ایسے متبادلات فراہم کیے جو عقیدہ توحید اور انسانی وقار کے ضامن ہیں۔ اس مطالعے میں توضیحی و تجزیاتی طریقہ کار اختیار کرتے ہوئے قرآنِ کریم اور مستند کتبِ حدیث سے تعبیری اصلاحات کا انتخاب کیا گیا ہے۔ مقالے میں ان اصلاحات کو چار بنیادی جہتوں: عقائدی و ایمانی (مثلاً واوٗ اور ثم کا فرق)، نفسیاتی و بشری کیفیات (خبیث کے بجائے لقس کا استعمال)، سماجی اصطلاحات کی علمی تشکیلِ نو (رقوب اور صرعہ کی نئی تعریف)، اور ابلاغی و قانونی تعبیرات کی درستی میں تقسیم کر کے ان کا گہرا علمی جائزہ لیا گیا ہے۔ تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبوی مَنہج اصلاح محض لسانی درستی نہیں بلکہ فکر و نظر کی تبدیلی کا نام ہے۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اصولِ متبادل، لسانی نفسیات اور اصطلاحی تشکیلِ نو کے ذریعے ایک ایسا ابلاغی نظام وضع کیا جو انسان کی خود توقیری اور سماجی

امن کو یقینی بناتا ہے۔ نتائج یہ ظاہر کرتے ہیں کہ دورِ حاضر کے لسانی بگاڑ، لایعنی لفاظی اور ابلاغی بحران کے علاج کے لیے نبوی مَنہج اصلاح کی پیروی ناگزیر ہے۔

کلیدی الفاظ: اصلاحِ تعبیر، نبوی مَنہج، تہذیبِ لسان، لسانی نفسیات، ابلاغی تربیت، عقائدی تحفظ

2. مقدمہ

کلام انسانی شخصیت کا آئینہ دار اور معاشرتی اقدار کی منتقلی کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ انسانی تاریخ شاہد ہے کہ الفاظ محض آوازوں کا مجموعہ نہیں ہوتے، بلکہ یہ فکر و نظر کی تشکیل اور انسانی رویوں کی سمت متعین کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو 'بیان' کی نعمت سے نوازا اور اسے کلام کی تطہیر کا حکم دیا تاکہ وہ اپنی زبان کے ذریعے خیر کی اشاعت کر سکے [1]۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت کا ایک اہم مقصد نوعِ انسانی کی فکری اور اخلاقی تربیت تھا۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے "جوامع الکلم" (جامع کلام) کے منفرد وصف سے نوازا تھا، جس کی بدولت آپ ﷺ کا کلام فصاحت و بلاغت، معنوی جامعیت اور اثر انگیزی کا اعلیٰ نمونہ تھا[2]۔ نبوی نظامِ تربیت میں جہاں اعمال و افعال کی اصلاح پر توجہ دی گئی، وہاں 'اصلاحِ تعبیر (Rectification of Terminology) ' اور 'لسانی تطہیر' کو بھی ایک مستقل مَنہج کے طور پر اختیار کیا گیا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی تربیت اس نہج پر فرمائی کہ زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ شرعی نزاکتوں، عقیدہ توحید کی پاسداری اور اخلاقی جمالیات کا آئینہ دار بن گیا[3]۔

اصلاحِ تعبیر کا یہ نبوی مَنہج محض الفاظ کی تبدیلی تک محدود نہ تھا بلکہ یہ ایک ہمہ گیر فکری انقلاب کا حصہ تھا، جس کا مقصد انسان کے باطن کی اصلاح اور معاشرتی رویوں میں شائستگی پیدا کرنا تھا[4]۔ عصرِ حاضر میں جہاں ابلاغی ذرائع نے وسعت اختیار کی ہے، وہیں لسانی بگاڑ اور نامناسب تعبیرات کا رواج بھی عام ہوا ہے۔ ایسے میں یہ ضرورت شدت سے محسوس کی گئی کہ نبوی مَنہج اصلاح کا تحقیقی مطالعہ کیا جائے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ آپ ﷺ نے کس طرح جاہلانہ، مشرکانہ اور نفسیاتی طور پر پسماندہ کلمات کو بلند پایہ اور بامقصد تعبیرات سے بدلا [5]۔ زیرِ نظر مقالہ اسی ضرورت کی تکمیل کی ایک علمی کوشش ہے، جس میں کلام کی تطہیر کے نبوی اسالیب کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

3. قرآنِ کریم میں حسنِ تعبیر اور اصلاحِ کلام کے اصول و بنیادیں

قرآنِ کریم محض احکام کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ فصاحت و بلاغت اور تہذیبِ کلام کا وہ مثالی نمونہ ہے جس نے انسانی زبان کو گندگی اور کجی سے نکال کر وقار اور سچائی کے اعلیٰ مقام پر فائز کیا۔ کلام میں اصلاحِ تعبیر کا جو نبوی مَنہج ہے، اس کی جڑیں قرآنِ کریم کے وضع کردہ لسانی اصولوں میں پیوست ہیں۔ ذیل میں قرآنِ مجید کے ان اصولوں اور تعبیری اصلاحات کا تحقیقی و تجزیاتی خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

3.1۔ قولِ سدید: راستی اور حق گوئی کا ضابطہ

قرآنِ کریم نے کلام کی پہلی بنیاد "قولِ سدید" کو قرار دیا: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا" "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی (اور سچی) بات کہا کرو۔"[6]۔ امام ابن کثیرؒ کے مطابق قولِ سدید سے مراد وہ کلام ہے جو عدل، راستی اور سچائی پر مبنی ہو، جس میں نہ کوئی کجی ہو اور نہ ہی ابہام [7]۔ امام قرطبیؒ کے نزدیک اس سے مراد ایسا قول ہے جو ظاہر و باطن میں یکساں ہو اور حق کے مطابق ہو [8]۔ تعبیری لحاظ سے یہ اصول سکھاتا ہے کہ انسان اپنی گفتگو میں لگی لپٹی بات کرنے کے بجائے حقیقت پسندانہ اور واضح اسلوب اختیار کرے، کیونکہ کلام کی درستی ہی اعمال کی اصلاح کا پیش خیمہ ہے [9]۔

3.2۔ قولِ لیّن: دعوت و اصلاح میں نرم بیانی

تبلیغِ دین اور اصلاحِ معاشرہ کے لیے قرآن نے "قولِ لیّن" کا اسلوب متعارف کروایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون جیسے سرکش کے پاس بھیجتے وقت ہدایت فرمائی: "فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ" "پھر تم دونوں اس سے نرم بات کہنا، شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا (اللہ سے) ڈر جائے۔"[10]۔ امام راغب اصفہانیؒ کے نزدیک قولِ لیّن سے مراد ایسی گفتگو ہے جس میں تلخی اور وحشت نہ ہو، تاکہ مخاطب کا دل نصیحت قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو سکے [11]۔ علامہ آلوسیؒ اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ تعبیر میں نرمی کا

مقصد مخاطب کو نیچا دکھانا نہیں بلکہ اس کی خیر خواہی اور ہدایت مقصود ہوتی ہے[12]۔

3.3۔ قولِ معروف: معاشرتی شائستگی کی بنیاد

معاشرتی تعلقات، یتامیٰ کے حقوق اور عائلی معاملات میں قرآن "قولِ معروف" کا حکم دیتا ہے[13]۔ امام قرطبیؒ کے مطابق قولِ معروف سے مراد ایسی بات ہے جو شریعت اور عقلِ سلیم کے نزدیک بھلی ہو اور جس سے کسی کی دل آزاری نہ ہو[14]۔ یہ اصول واضح کرتا ہے کہ انسانی تعبیرات میں مروت، احسان اور شائستگی کا عنصر لازمی ہونا چاہیے۔

3.4۔ "راعنا" کی تعبیر کی اصلاح: سوءِ استعمال کا سدِباب

قرآنی اصلاحِ تعبیر کی ایک کلاسک مثال "راعنا" کے لفظ سے ممانعت ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا" "اے ایمان والو! (نبی ﷺ سے) 'رَاعِنَا' نہ کہا کرو بلکہ 'انْظُرْنَا' کہا کرو۔"[15]۔ مفسرین کے مطابق صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کی توجہ حاصل کرنے کے لیے 'راعنا' (ہماری رعایت فرمائیے) کہتے تھے، مگر یہود اسی لفظ کو اپنی زبان کے ایک ہم مخرج لفظ سے بدل کر
(نعوذ باللہ) 'رعونت' (جس کے معنیٰ ان کی عبرانی زبان میں برے ہیں) کے معنی میں گستاخی کے لیے استعمال کرتے تھے[16]۔ قرآن مجید نے اس تعبیر کو "انظرنا" (ہماری طرف نظر کرم فرمائیے) سے بدل دیا، جو معنی میں یکساں مگر ہر قسم کے برے مفہوم سے پاک ہے[17]۔ یہ اصلاحِ تعبیر سکھاتی ہے کہ اگر کسی جائز لفظ سے بھی گستاخی یا سوءِ فہمی کا احتمال ہو تو اسے ترک کر کے بہتر متبادل اختیار کرنا چاہیے[18]۔

3.5۔ "واسمعوا" (سنو) کے تقاضے: سماعتِ قبول اور ادبِ مجلس:

قرآن نے یہود کے اسلوبِ کلام "سمعنا وعصینا" (ہم نے سنا اور نافرمانی کی) کی مذمت کی اور اہلِ ایمان کو "واسمعوا" (سنو اور اطاعت کرو) کا حکم دیا[19]۔ یہاں "واسمع" سے مراد محض آواز کا کانوں تک پہنچنا نہیں بلکہ "سماعِ قبول" اور "وعی" (توجہ سے سننا اور سمجھنا) ہے[20]۔ یہ تعبیر ادبِ مجلس اور مخاطب کی بات کو پوری اہمیت دینے کے نبوی مَنہج کی اساس ہے[21]۔

3.6۔ مشیتِ الٰہی کا استثناء: "إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ" اور واقعہ سلیمان علیہ السلام:

مستقبل کے کاموں کے حوالے سے قرآن نے تعبیر کی اصلاح فرمائی کہ کبھی یہ نہ کہو کہ "میں کل یہ کروں گا" جب تک کہ اسے مشیتِ الٰہی سے مقید نہ کر لو[22]۔ تفاسیر میں منقول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک رات میں متعدد بیٹوں کی خواہش کی جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں، مگر "ان شاء اللہ" کہنا بھول گئے، جس کے نتیجے میں مراد پوری نہ ہوئی[23]۔ یہ واقعہ اور قرآنی حکم انسان کو اپنی عاجزی اور اللہ کی قدرتِ مطلقہ کے اعتراف پر مبنی تعبیرات سکھاتا ہے[24]۔

3.7۔ نعمتوں کی منصفانہ تعبیر: واقعہ صاحبِ باغ

سورہ الکہف میں دو بھائیوں کے واقعے میں تعبیر کی اصلاح کا ایک لطیف پہلو ملتا ہے۔ جب باغ کے مالک نے اپنی محنت پر فخر کیا تو اس کے مومن بھائی نے کہا: "وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ"[25]۔ "اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے کیوں نہ کہا: 'جو اللہ چاہے (وہی ہوتا ہے)، اللہ کی مدد کے بغیر کوئی طاقت نہیں'۔" یہاں "ماشاء اللہ" کی تعبیر سکھاتی ہے کہ انسان کو اپنی کامیابیوں کو اپنی ذاتی قدرت کے بجائے اللہ کے فضل کی طرف منسوب کرنا چاہیے تاکہ کبر اور زوالِ نعمت سے محفوظ رہے[26]۔

3.8۔ "حطۃ" اور "حنطۃ": لفظی تحریف کا عبرت ناک انجام:

بنی اسرائیل کو ایک بستی میں داخل ہوتے وقت "حطۃ" (اے اللہ! ہمارے گناہ معاف فرما) کہنے کا حکم دیا گیا تھا[27]۔ انہوں نے استہزاء کے طور پر اسے "حنطۃ" (گندم) سے بدل دیا[28]۔ قرآن مجید نے ان کی اس "تبدیلِ قول" کو فسق قرار دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل کیا[29]۔ یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ مذہبی اصطلاحات اور شعائر میں ادنیٰ سی لفظی تبدیلی بھی سوءِ ادب اور تباہی کا باعث بنتی ہے[30]۔

پس قرآنِ کریم کے یہ اصول و واقعات ثابت کرتے ہیں کہ "اصلاحِ تعبیر" اسلامی نظامِ تربیت کا ایک لازمی جزو ہے۔ الفاظ کا انتخاب محض لسانی ذوق نہیں بلکہ عقیدہ توحید کی ترجمانی اور اخلاقی حدود کی پاسداری کا نام ہے[31]۔

4: نبوی مَنہج اصلاح کا موضوعاتی مطالعہ

4.1۔ عقائدی و ایمانی تعبیرات کی اصلاح

نبوی نظامِ تربیت میں کلام کی تطہیر کا سب سے بنیادی اور اساسی پہلو عقیدہ توحید (Monotheism) کا تحفظ اور شرک کے ہر ممکن شائبہ کا لسانی سدِ باب کرنا ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی تربیت اس نہج پر فرمائی کہ زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ خالق کی کبریائی اور مخلوق کی بندگی کے فرق کو ملحوظ رکھے۔ آپ ﷺ نے ان تمام تعبیرات کی علمی و شرعی اصلاح فرمائی جن سے بظاہر خالق اور مخلوق کے درمیان برابری (Equality) یا اختیارِ مطلق میں شرکت کا وہم پیدا ہوتا تھا۔[32] شارحینِ حدیث نے اس ضمن میں درج ذیل پہلوؤں کو خاص اہمیت دی ہے:

4.1.1۔ مشرکانہ نسبتوں کی نفی (واؤ بمقابلہ ثم کا استعمال):

نبی کریم ﷺ نے عقیدہ توحید کی لسانی پہرے داری فرماتے ہوئے کلام میں اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے ساتھ کسی انسان کی مشیئت کو حرفِ عطف 'واوَ (And) ' کے ذریعے جوڑنے کی سختی سے اصلاح فرمائی۔[33] عربی زبان میں حرف 'واوَ' جمع اور اشتراکِ مطلق (Absolute Association) کے لیے مستعمل ہے، لہٰذا خالق اور مخلوق کی مشیئت کو ایک ہی درجے میں ذکر کرنا عقیدہ کی کجی کا باعث بن سکتا تھا۔[34] آپ ﷺ نے صراحت کے ساتھ ہدایت فرمائی: "لَا تَقُولُوا مَا شَاءَ اللَّهُ، وَشَاءَ فُلَانٌ، وَلَكِنْ قُولُوا مَا شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ شَاءَ فُلَانٌ" "یہ نہ کہو کہ جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے، بلکہ یوں کہو کہ جو اللہ چاہے، پھر جو فلاں چاہے"۔[35]

محدثینِ کرام کے مطابق اس لسانی تبدیلی کے پیچھے عمیق حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ ملا علی قاریؒ "مرقاۃ المفاتیح" میں لکھتے ہیں کہ حرفِ "واوَ" لغت میں اشتراک کے لیے ہے، جس سے بظاہر اللہ اور بندے کے درمیان "تسویہ" (برابری) کا وہم پیدا ہوتا تھا۔[36] امام بدر الدین عینیؒ "عمدۃ القاری" میں فرماتے ہیں کہ دو چیزوں کو "واوَ" سے جوڑنا ان کے درمیان ایک قسم کی شرکت پیدا کرتا ہے، جو کہ بارگاہِ الٰہی کے آداب کے خلاف ہے۔[37] نبوی مَنہج اصلاح میں حرفِ عطف 'ثم (Thumma) ' کے استعمال کی تاکید کی گئی کیونکہ یہ تراخی (Delay/ Sequence) پر دلالت کرتا ہے، جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ بندے کی مشیئت اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے تابع اور اس کے بعد ہے۔[38]

اسی ضابطے کی اہمیت اس واقعے سے بھی واضح ہوتی ہے جہاں ایک خطیب نے "وَمَنْ يَعْصِهِمَا" (اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی) کہہ کر اللہ اور رسول ﷺ کے لیے ایک ہی ضمیر (Dual Pronoun) استعمال کی۔ آپ ﷺ نے اسے ٹوکا اور فرمایا: «بِئْسَ الْخَطِيبُ أَنْتَ» (تم کتنے برے خطیب ہو)۔[39] امام نوویؒ کے مطابق خطبوں کا مقصد وضاحت اور تفصیل ہوتا ہے، وہاں اشاروں اور مبہم ضمیروں کے بجائے اللہ کی عظمت کا امتیاز واضح رہنا چاہیے۔[40]

4.1.2۔ ماضی کے پچھتاووں اور تقدیر کے ابلاغ میں اصلاح

نبوی نظامِ تربیت میں کلام کی ایک اہم اصلاح یہ ہے کہ انسان کو ماضی کے لایعنی پچھتاووں سے نکال کر 'رضا بالقدر (Contentment with Destiny) ' کی عملی تربیت دی جائے[41]۔ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ کسی ناپسندیدہ واقعے پر "کاش! میں نے یوں کیا ہوتا" (لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ) کہنے کے بجائے "یہ اللہ کی تقدیر ہے اور اس نے جو چاہا وہی کیا" (قَدَّرَ اللَّهُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ) کہنا چاہیے[42]۔ امام نوویؒ 'المنہاج' میں لکھتے ہیں کہ یہاں لفظ 'لو' (کاش) کا استعمال اس لیے مکروہ ہے کیونکہ یہ تقدیر پر اعتراض اور باطنی بے چینی پیدا کر کے 'شیطانی وسوسوں' کا دروازہ کھولتا ہے[43]۔ ملا علی قاریؒ کے مطابق ماضی پر حسرت انسان کی عملی قوتوں کو مفلوج کر دیتی ہے، جبکہ نبوی اسلوب ہمیں مستقبل کے لیے 'کیس' (تدبیر و ہوشیاری) اور نتیجے پر 'تسلیم و تفویض' کا درس دیتا ہے[44]۔ تاہم، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور امام نوویؒ نے واضح کیا ہے کہ اگر 'لو' کا لفظ ماضی میں فوت ہونے والی کسی 'نیکی' پر حسرت یا حصولِ علم کی تمنا کے لیے استعمال ہو تو یہ شرعاً جائز بلکہ مستحسن ہے[45]۔

4.1.3۔ القاب وخطابات میں شرکِ فی الصفت کی نفی

نبوی نظامِ تربیت میں عقیدہ توحید کی حساسیت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ نے ان القاب و خطابات کے استعمال سے بھی سختی سے منع فرمایا جن سے اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مخصوصہ میں کسی مخلوق کی شراکت کا وہم پیدا ہوتا ہو[46]۔ اس کی واضح مثال 'مَلِکُ الْاَمْلَاک' (شاہوں کا شاہ) جیسے القاب کی ممانعت ہے[47]۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "إِنَّ أَخْنَعَ اسْمٍ عِنْدَ اللَّهِ رَجُلٌ تَسَمَّى مَلِكَ الْأَمْلَاكِ" "بے شک اللہ کے نزدیک سب سے ذلیل نام اس شخص کا ہے جس نے اپنا نام 'ملک الاملاک' رکھا ہو"[48]۔ امام بدر الدین عینیؒ 'عمدۃ القاری' میں اس کی علمی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کائنات کی حقیقی بادشاہی اور ملکیت (Divine Sovereignty) صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے خاص ہے، لہٰذا کسی بندے کے لیے اس لقب کا استعمال اللہ تعالیٰ کے ساتھ 'تسویہ' (برابری) کے مترادف ہے جو کہ عقلی اور شرعی طور پر باطل ہے[49]۔ ملا علی قاریؒ کے مطابق دیگر زبانوں کے ہم معنی الفاظ، جیسے فارسی میں 'شاہنشاہ'، بھی اسی ممانعت کے زمرے میں آتے ہیں کیونکہ ان سے اس کبریائی کا اظہار ہوتا ہے جو صرف خالقِ کائنات کا خاصہ ہے[50]۔ شارحینِ حدیث کے نزدیک ان ابلاغی اصلاحات کا بنیادی مقصد انسان کو اس کی اصل حقیقت یعنی 'عبدیت' اور بندگی کے مقام پر برقرار رکھنا ہے تاکہ وہ کلام اور عقیدہ دونوں میں صراطِ مستقیم پر قائم رہے[51]۔

4.1.4۔ احترامِ وحی اور "نسبتِ نسیان" کی اصلاح

قرآنِ کریم کی عظمت کے پیشِ نظر آپ ﷺ نے بھول جانے کی نسبت اپنی طرف کرنے کو ناپسند فرمایا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بِئْسَ مَا لِأَحَدِهِمْ أَنْ يَقُولَ نَسِيتُ آيَةَ كَيْتَ وَكَيْتَ، بَلْ نُسِّيَ" "کتنا برا ہے کہ کوئی کہے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا، بلکہ وہ 'بھلا دیا گیا' (نسی)"[52]۔ اس اصلاح کا مقصد یہ ہے کہ قرآن جیسی عظیم نعمت سے غفلت کو انسانی طرف منسوب کرنے کے بجائے تقدیرِ الٰہی کی طرف پھیرا جائے تاکہ اس میں اعترافِ عجز کا پہلو نمایاں ہو۔[53] امام نوویؒ "المنہاج" میں فرماتے ہیں کہ لفظ «نَسِيتُ» (میں بھول گیا) میں ایک قسم کی لاپروائی اور تغافل کا پہلو نکلتا ہے، گویا بندے نے خود اس نعمت کو ضائع کر دیا۔ جبکہ «نُسِّيتُ» (میں بھلا دیا گیا) یا «نُسِّيَ» (اسے بھلا دیا گیا) کہنے میں یہ اشارہ ہے کہ یہ نسیان اللہ کی طرف سے بطورِ سزا یا آزمائش کے واقع ہوا ہے جس میں بندے کا اپنا ارادہ شامل نہیں تھا[54]۔

4.1.5۔ غلاموں کے القابات کی اصلاح (عبدی بمقابلہ فتای)

معاشرتی طبقات کے درمیان لسانی تفاخر کو ختم کرنے کے لیے آپ ﷺ نے غلاموں کے لیے مستعمل تعبیرات میں انقلابی تبدیلی فرمائی۔[55] آپ ﷺ نے آقاؤں کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنے ماتحتوں کو "عبدی" (میرا بندہ) کہنے کے بجائے "فتای" (میرا جوان) کے الفاظ سے پکاریں۔[56] محدثین کے نزدیک اس اصلاح کا مقصد "بندگیِ ربوبیت" کے امتیاز کو برقرار رکھنا ہے کیونکہ حقیقی ملکیت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔[57] امام نوویؒ کے مطابق لفظ "عبدی" میں لسانی تکبر کا پہلو نکلتا تھا، جبکہ "فتای" اپنائیت پر دلالت کرتا ہے جس سے ماتحت کی تذلیل ختم ہو جاتی ہے۔[58]

4.2۔ نفسیاتی اور بشری کیفیات کی تعبیری اصلاح

نبوی نظامِ تربیت کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انسانی نفسیات (Psychology) کو مدِنظر رکھتے ہوئے کلام میں ایسی تبدیلیوں کی تلقین فرمائی جو انسان کی خود توقیری (Self-esteem) اور باطنی پاکیزگی کی ضامن ہیں۔ شارحینِ حدیث کے نزدیک یہ اصلاحات محض لغوی نہیں بلکہ گہرے نفسیاتی و اخلاقی اثرات کی حامل ہیں[59]۔ اس ضمن میں چند اہم تعبیری اصلاحات درج ذیل ہیں:

4.2.1۔ ذاتی کیفیت کا بیان (خبیث بمقابلہ لقس)

نبی کریم ﷺ انسانی شخصیت کی نفسیاتی پختگی کے لیے ایسے الفاظ کو ناپسند فرماتے تھے جو باطنی گراوٹ یا اخلاقی پستی کا احساس دلائیں۔ آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی: "لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ خَبُثَتْ نَفْسِي، وَلَكِنْ لِيَقُلْ لَقِسَتْ نَفْسِي" "تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میرا نفس 'خبیث' ہو گیا ہے، بلکہ یوں کہے کہ میرا جی متلا رہا ہے (لقست نفسی)"[60]۔ امام نوویؒ 'المنہاج' میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگرچہ "لقست" اور "خبثت" کے لغوی معنی ایک ہی ہیں (یعنی طبیعت کا بوجھل ہونا)، مگر آپ ﷺ نے لفظ "خبث" کے استعمال کو اس کی لفظی بشاعت اور

شناعت (Ugliness) کی وجہ سے ناپسند فرمایا[61]۔ محدثین کے مطابق اس ممانعت کا مقصد مسلمانوں کو آدابِ گفتگو سکھانا اور انہیں اپنی ذات کے لیے بہترین الفاظ کے استعمال کی ترغیب دینا ہے تاکہ وہ اپنی شخصیت کے لیے ایسے استعارے (Metaphor) استعمال نہ کریں جو کفر، ناپاکی یا برے افعال سے منسوب ہوں[62]۔ علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا منہج "اسمِ قبیح" کو ترک کر کے "اسمِ حسن" کو اختیار کرنا تھا تاکہ مؤمن کی لسانی نفسیات (Linguistic Psychology) ہمیشہ مثبت رہے[63]۔

4.2.2۔ اشیاء کی لغوی نسبت اور قلبی میلان

نبوی نظامِ تربیت میں ایسی لسانی اصلاحات بھی ملتی ہیں جو انسانی نفسیات کو غیر محسوس طریقے سے برائی کی رغبت سے بچاتی ہیں۔ اس کی ایک نمایاں مثال انگور کے لیے 'کرم' (الکَرم) کا لفظ استعمال کرنے کی ممانعت ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لَا تَقُولُوا الْكَرْمُ وَلَكِنْ قُولُوا الْعِنَبُ وَالْحَبَلَةُ" "تم انگور کو 'کرم' نہ کہو بلکہ 'عنب' یا 'حبلہ' کہو"[64]۔ امام نوویؒ 'المنہاج' میں اس کی نفسیاتی علت (Psychological cause) بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چونکہ 'کرم' کا لفظ 'کَرَم' (بزرگی و سخاوت) سے مشتق ہے، اس لیے جب لوگ انگور کو اس معزز نام سے پکارتے ہیں تو ان کے نفوس میں شراب کی طرف ایک گونہ قلبی کشش اور رغبت پیدا ہونے کا احتمال رہتا ہے کیونکہ انگور ہی اس کا مادہ ہے[65]۔ نبی کریم ﷺ نے اس لفظ کی نسبت انگور سے ختم کر کے اسے مؤمن کے قلب کے لیے خاص کر دیا تاکہ یہ واضح ہو کہ حقیقی شرافت اور بزرگی کا مستحق صرف وہ دل ہے جو ایمان اور تقویٰ سے منور ہو[66]۔ علامہ خطابیؒ کے نزدیک اس ابلاغی اصلاح کا مقصد مسلمانوں کی فکر کو جاہلانہ اصطلاحات کے سحر سے نکال کر انہیں حقائق کی سادہ تعبیر کا عادی بنانا تھا[67]۔

4.2.3۔ ناموں کے اثرات اور انسانی طبیعت

انسانی شخصیت پر ناموں کے نفسیاتی اثرات کو مدِنظر رکھتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے "اسمِ قبیح" کو "اسمِ حسن" سے بدلنے کی تلقین فرمائی تاکہ فرد کی طبیعت میں افسردگی کے بجائے شگفتگی پیدا ہو۔ حضرت سعید بن مسیبؒ کے والد بیان کرتے ہیں کہ جب وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: "تمہارا نام کیا ہے؟" انہوں نے عرض کیا: "حزن" (سختی / غم)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم 'سہل' (نرمی / آسانی) ہو"[68]۔ امام بدر الدین عینیؒ اور علامہ خطابیؒ اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ناموں کا مسمّٰی (Named object) کی فطرت اور نفسیات کے ساتھ ایک گہرا ربط ہوتا ہے[69]۔ شارحین کے نزدیک برے نام سے طبیعت میں انقباض اور اچھے نام سے انشراح پیدا ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایسے ناموں کو ناپسند فرمایا جن سے تفاخر (مثلاً 'عزیز' یا 'برّہ') یا مایوسی و بشاعت (مثلاً 'حرب' یا 'مرّہ') کا پہلو نکلتا ہو[70]۔ اس تعبیری اصلاح کا بنیادی مقصد فرد کے اندر خود اعتمادی اور مثبت سوچ (Positive thinking) کا فروغ تھا تاکہ وہ معاشرے کا ایک متوازن رکن بن سکے[71]۔

4.3۔ سماجی اصطلاحات کی علمی تشکیلِ نو

نبوی نظامِ تربیت کا ایک منفرد پہلو یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے معاشرے میں رائج قدیم سماجی اصطلاحات کے مفہوم کو مادی اور ظاہری سطح سے بلند کر کے اخلاقی اور روحانی معانی سے ہم آہنگ فرمایا۔ محدثین کے نزدیک ان اصطلاحات کی تشکیلِ نو (Re-formation) درحقیقت ایک ہمہ گیر سماجی اور نفسیاتی انقلاب تھا جس کا مقصد انسانی رویوں کی جہت کو مادہ پرستی سے نکال کر اعلیٰ اخلاقی اقدار کی طرف موڑنا تھا[72]۔ شارحینِ حدیث نے اس ضمن میں درج ذیل مثالوں کا تجزیاتی جائزہ پیش کیا ہے:

4.3.1۔ رَقُوب کی مادی تعریف کی اصلاح (پردہ پوشی اور اجر کا پہلو)

زمانہ جاہلیت میں 'رَقُوب' اس شخص کو کہا جاتا تھا جس کی اولاد زندہ نہ رہتی ہو اور وہ مادی طور پر بے وارث رہ جائے۔ نبی کریم ﷺ نے اس اصطلاح کی مادی تعریف کو بدل کر اسے صبر اور اخروی ذخیرہ اندوزی سے جوڑ دیا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: "مَا تَعُدُّونَ الرَّقُوبَ فِيكُمْ؟" (تم اپنے درمیان رقوب کسے سمجھتے ہو؟) صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: "وہ جس کا کوئی بچہ زندہ نہ رہے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "لَيْسَ ذَاكَ بِالرَّقُوبِ وَلَكِنَّهُ

الرَّجُلُ الَّذِي لَمْ يُقَدِّمْ مِنْ وَلَدِهِ شَيْئًا" "وہ (حقیقی معنوں میں) بے اولاد (یا محروم) نہیں ہے، بلکہ اصل میں وہ شخص محروم ہے جس نے اپنی زندگی میں اپنی اولاد میں سے کسی کو آگے (آخرت کے ذخیرے کے طور پر) نہ بھیجا ہو۔"[73] امام نوویؒ "المنہاج" میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اہل عرب اس شخص کو 'رَقُوب' کہہ کر اس کی مادی محرومی پر اظہارِ افسوس کرتے تھے، مگر آپ ﷺ نے اس تعبیر کو اس لیے بدلا تاکہ مؤمن مادی محرومی پر رنجیدہ ہونے کے بجائے اسے اجرِ عظیم کا پیش خیمہ سمجھے۔[74] ملا علی قاریؒ کے مطابق حقیقی رقوب وہ ہے جس نے اپنی زندگی میں اپنی اولاد میں سے کسی کو (وفات کی صورت میں) آگے نہ بھیجا ہو تاکہ وہ اس کے لیے آخرت میں ثواب کا ذریعہ بن سکے۔ محدثین کے نزدیک اس اصلاح کا مقصد یہ ہے کہ وہ شخص جو اولاد کی وفات پر صبر کرتا ہے، وہ مادی طور پر محروم نہیں بلکہ اخروی طور پر غنی ہے[75]۔ یہ تعبیری تبدیلی انسانی اذہان کو مادی نقصان کے صدمے سے نکال کر اللہ کی رضا اور 'رجائیت (Optimism)' کی طرف موڑ دیتی ہے۔

4.3.2۔ صُرَعَة کی اخلاقی جہت (جسمانی پہلوانی بمقابلہ ضبطِ نفس)

عرب معاشرے میں 'صُرَعَہ' (پہلوان) کی اصطلاح اس شخص کے لیے مخصوص تھی جو جسمانی قوت میں سب سے برتر ہو اور اکھاڑے میں لوگوں کو پچھاڑ دے۔ نبی کریم ﷺ نے اس جسمانی وصف کو اخلاقی وصف میں بدل کر "قوت (Strength)" کا نیا معیار متعارف کروایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ"" حقیقی پہلوان وہ نہیں جو جسمانی طور پر لوگوں کو صرع (پچھاڑنا) کرے، بلکہ وہ ہے جو غصے کی حالت میں اپنے نفس پر قابو پالے"[76] ۔ محدثین کے مطابق آپ ﷺ نے پہلوان کی تعریف مادی طاقت کے بجائے نفس کی طاقت سے کی۔ امام بدر الدین عینیؒ 'عمدۃ القاری' میں لکھتے ہیں کہ غصے پر قابو پانا جسمانی پہلوانی سے زیادہ مشکل کام ہے، کیونکہ یہ ایک "باطنی مجاہدہ" ہے[77]۔ اس لسانی اصلاح کے ذریعے آپ ﷺ نے سماج کے 'ہیرو' کا تصور بدل دیا اور جسمانی تشدد کے مقابلے میں عفو و درگزر اور ضبطِ نفس (Self-control) کو سماجی برتری کا معیار قرار دیا[78]۔

4.3.3 ضِیَاع کی تعبیر اور ریاستی ذمہ داری (بے سہارا عیال)

نبی کریم ﷺ نے یتیموں اور بے سہارا افراد کے لیے "ضِیَاع" (ضائع ہونے والی چیز) کی تعبیر اختیار فرما کر ایک طرف ان کی کسمپرسی کو واضح کیا اور دوسری طرف ریاست کی ذمہ داری کو متعین فرمایا۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: "وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيَاعًا فَإِلَيَّ وَعَلَيَّ" "جس نے قرض یا ضیاع (بے سہارا عیال) چھوڑا تو وہ میرے پاس آئیں، ان کی ذمہ داری مجھ پر ہے"[79]۔ امام بدر الدین عینیؒ کے مطابق لفظ 'ضیاع' دراصل مصدر ہے، لیکن یہاں اسے مبالغے کے طور پر ان عیال اور بچوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے جن کا کوئی پرسانِ حال نہ ہو۔ ملا علی قاریؒ کے نزدیک اس تعبیر میں یہ نکتہ پوشیدہ ہے کہ اگر ان بے سہارا لوگوں کو نظر انداز کر دیا گیا تو وہ معاشرتی طور پر ضائع (Destroyed) ہو جائیں گے[80]۔ امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے «فَإِلَيَّ» (ان کا مرجع میں ہوں) کہہ کر یہ واضح کر دیا کہ ریاست کا سربراہ یتیموں اور مسکینوں کا حقیقی ولی اور ناصر ہے۔ اس اصلاح نے "ضیاع" کی اصطلاح کو محض ایک ابتر حالت کے بیان سے نکال کر "حقِ سرپرستی (Right of Guardianship) " کے قانونی و اخلاقی مطالبے میں بدل دیا[81]۔

4.3.4۔ مفلس کی مادی تعریف کی علمی و اخلاقی تصحیح

نبوی مَنہج تربیت کا ایک شاہکار اسلوب مروجہ سماجی و معاشی اصطلاحات کے مفہوم کو مادی سطح سے بلند کر کے انھیں اخروی اور اخلاقی ابعاد عطا کرنا ہے، جس کی ایک اور واضح مثال "مفلس کون ہے؟" (مَنِ الْمُفْلِسُ) والی حدیثِ مبارکہ ہے [82]۔ جب صحابہ کرامؓ نے جاہلی عرف اور مادی تناظر میں جواب دیا کہ مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم و دینار اور ساز و سامان نہ ہو[83]۔ (جو امام نوویؒ کے مطابق محض "حقیقتِ لغوی" پر مبنی تھا)[84]، تو آپ ﷺ نے اس تعبیر کی علمی تشکیلِ نو کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میری امت کا حقیقی مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوۃ جیسی نیکیاں لے کر آئے گا، لیکن دنیا میں کسی کو گالی دینے، تہمت لگانے، مال کھانے یا خون بہانے کے سبب اس کی نیکیاں ان مظلوموں میں بانٹ دی جائیں گی [85]۔ اس کی شرح میں ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ دنیا کا افلاس تو عارضی ہے، مگر حقیقی اور دائمی ہلاکت (Real Bankruptcy) حقوق

العباد کی پامالی کے باعث نیکیوں کا ضائع ہونا اور دوسروں کے گناہ اپنے سر لد جانا ہے [86]۔ علامہ بدر الدین عینیؒ کے نزدیک اس نبوی اصلاح کا بنیادی مقصد انسان کو مادی نقصان کے خوف سے نکال کر حقوق العباد کے تحفظ اور معاشرتی عدل و احسان کا خوگر بنانا ہے [87]۔

4.4۔ ابلاغی اور قانونی تعبیرات کی درستی

نبوی نظامِ تربیت کا ایک منفرد پہلو ابلاغی اور قانونی معاملات میں ایسی تعبیرات کا انتخاب ہے جو سادہ، واضح اور لایعنی لفاظی سے پاک ہوں۔ آپ ﷺ نے کلام میں اس قسم کے تصنع اور بناوٹ کو ناپسند فرمایا جو شرعی حقائق پر پردہ ڈالنے یا تضحیک کا پہلو نکالنے کے لیے استعمال کی جائے۔ شارحینِ حدیث نے اس ضمن میں درج ذیل پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے:

4.4.1 سجع کاہن کی ممانعت (سجع اعراب بمقابلہ شرعی حقیقت)

قانونی بحث اور عدالتی معاملات میں مقفیٰ اور تضحیک آمیز لفاظی کو نبی کریم ﷺ نے "سجع اعراب" یا "سجع کُہان" قرار دے کر مسترد فرمایا [88]۔ جب ایک شخص نے دیت کے فیصلے پر اعتراض کرتے ہوئے قافیہ بندی میں کلام کیا کہ "يا رسول الله كيف أغرم من لا شرب ولا أكل ولا نطق ولا استهل فمثل ذلك يطل" "میں اس کا جرمانہ کیسے بھروں جس نے نہ کھایا، نہ پیا، نہ آواز نکالی" تو آپ ﷺ نے اسے ٹوکا [89]۔ امام نوویؒ 'المنہاج' میں لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس سجع (Rhymed prose) کی مذمت دو وجوہات کی بنا پر فرمائی: اول یہ کہ اس کے ذریعے حکمِ شرع کو باطل کرنے کی کوشش کی گئی تھی" أنه عارض به حكم الشرع ورام إبطاله"، اور دوم یہ کہ اس میں تکلف اور بناوٹ پائی جاتی تھی" أنه تكلفه في مخاطبته وهذان الوجهان من السجع مذمومان "[90]۔ ملا علی قاریؒ 'مرقاۃ المفاتیح' کے مطابق، ہر سجع مذموم نہیں بلکہ وہ مقفیٰ کلام برا ہے جو کاہنوں کی مشابہت میں ہو اور جس کا مقصد باطل کو حق ثابت کرنا ہو [91]۔ امام بدر الدین عینیؒ کے نزدیک نبوی منہج یہ ہے کہ قانونی معاملات میں لفاظی کے بجائے "حقیقتِ حال" کو سادہ اور دوٹوک الفاظ میں بیان کیا جائے تاکہ عدل کے تقاضے پورے ہوں [92]۔

4.4.2۔ قانونی استدلال میں لفاظی کا اثر

نبوی نظامِ عدل میں 'ألحن بحجته' (دلیل پیش کرنے میں زیادہ چرب زبان ہونا) کا تصور ابلاغی مہارت کے غلط استعمال پر سخت تنبیہ فراہم کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم میرے پاس جھگڑے لاتے ہو اور ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی دوسرے کی نسبت اپنی دلیل پیش کرنے میں زیادہ ابلاغ و فصاحت (ألحن بحجته) رکھتا ہو، اور میں اس سے جو سنوں اس کے مطابق فیصلہ کر دوں" (14)۔ امام بدر الدین عینیؒ اور ملا علی قاریؒ کے مطابق 'لحن' سے مراد یہاں کلام کو اس کے ظاہر سے پھیر کر تعریض اور فحویٰ کے ذریعے باطل کو حق بنا کر پیش کرنا ہے [93]۔ شارحین کے نزدیک یہ حدیث اس قانونی حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ قاضی اگرچہ ظاہری ابلاغ اور بینہ پر فیصلہ کرنے کا مکلف ہے، لیکن اگر کوئی شخص اپنی لسانی مہارت (Communicative skill) کے ذریعے کسی کا حق غصب کرے گا تو وہ فیصلہ اس کے لیے جہنم کا ٹکڑا ہو گا [94]۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس نبوی اسلوب کا مقصد عدالتی کارروائی میں لفاظی اور چرب زبانی کے ذریعے حقائق کو مسخ کرنے کے رجحان کی حوصلہ شکنی کرنا ہے [95]۔

4.4.3۔ عمومی خطاب اور اصلاحِ احوال

نبوی نظامِ ابلاغ میں اصلاحِ احوال کے لیے ایسی تعبیرات کا انتخاب کیا جاتا تھا جن میں فرد کی تذلیل کے بجائے گروہی اصلاح کا پہلو نمایاں ہو۔ حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ "نبی کریم ﷺ کو جب کسی شخص کی کوئی (ناپسندیدہ) بات پہنچتی تو آپ ﷺ یہ نہیں فرماتے تھے کہ 'فلاں کو کیا ہوا ہے کہ وہ یوں کہتا ہے'، بلکہ آپ ﷺ فرماتے کہ 'لوگوں کو کیا ہو گیا ہے (ما بال أقوام) کہ وہ ایسی باتیں کرتے ہیں'" [96]۔ امام بدر الدین عینیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے مطابق اس ابلاغی اسلوب کا مقصد 'ستر' (پردہ پوشی) اور 'رفق' (نرمی) کے ساتھ نصیحت کرنا تھا تاکہ مخاطب کی رسوائی نہ ہو اور وہ ضد میں آنے کے بجائے اپنی اصلاح کر لے [97]۔ شارحین کے نزدیک یہ اسلوبِ بیان معاشرتی ہم آہنگی کے لیے ایک سنہرا اصول ہے جہاں تنقید کا رخ ذات کے بجائے عمل کی طرف موڑ دیا جاتا ہے [98]۔

4.4.4۔ خوش خبری اور مثبت لفظی اثر (فالِ صالح بمقابلہ بدشگونی):

آپ ﷺ نے جاہلی معاشرے میں رائج بدشگونی (Tiyarah) کے تصور کو جڑ سے ختم کیا اور اس کی جگہ "فالِ صالح" یعنی "الکلمة الحسنة" (پاکیزہ بات) کی تعبیر کو رواج دیا[99]۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ، وَيُعْجِبُنِي الْفَأْلُ الصَّالِحُ: الْكَلِمَةُ الْحَسَنَةُ"" بیماری کا اڑ کر لگ جانا (ذاتی طور پر مؤثر نہیں) اور نہ ہی بدشگونی لینا کوئی حیثیت رکھتا ہے، اور مجھے 'فالِ صالح' (اچھا شگون) پسند ہے، اور وہ ہے اچھی اور پاکیزہ بات۔"[100]۔ محدثینِ کرام کے مطابق، "طیرہ" (بدشگونی) ایک وہم ہے جس کی حقیقت میں کوئی بنیاد نہیں، جبکہ "فال" انسان کے اندر اللہ کی رحمت سے "رجائیت (Optimism) " اور امید پیدا کرتی ہے[101]۔ امام بدر الدین عینیؒ 'عمدۃ القاری' میں فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے "کلمہ حسنہ" کو فالِ صالح قرار دے کر یہ واضح کیا کہ زبان سے نکلنے والے اچھے الفاظ انسانی نفسیات پر مثبت اثر ڈالتے ہیں اور اسے اللہ کی رضا کی طرف مائل کرتے ہیں[102]۔ ملا علی قاریؒ کے مطابق، آپ ﷺ ناموں کے ذریعے بھی فال لیتے تھے، جیسے 'عقبہ' سے 'عاقبت' اور 'رافع' سے 'رفعت' کا مفہوم مراد لینا، جو کہ ابلاغی تربیت کا ایک جمالیاتی پہلو ہے[103]۔

5۔ احادیث وواقعات سے کشید کردہ "نبوی منہج اصلاح" کا تجزیاتی مطالعہ

مذکورہ بالا تمام واقعات اور تعبیری تبدیلیوں کے گہرے مطالعے سے نبی کریم ﷺ کا جو اسلوبِ اصلاح سامنے آتا ہے، اسے درج ذیل علمی اصولوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

5.1۔ اصولِ متبادل

نبوی منہج محض ممانعت یا الفاظ کو روک دینے پر مبنی نہیں تھا، بلکہ آپ ﷺ ہمیشہ ایک "بہتر متبادل" (Better Alternative) فراہم فرماتے تھے۔ جیسے 'راعنا' کے مقابلے میں 'انظرنا' اور 'خبیث' کے مقابلے میں 'لقس'۔ یہ اصول بتاتا ہے کہ لسانی خلا (Linguistic Vacuum) کو مثبت تعبیر سے بھرنا تربیت کا لازمی حصہ ہے۔

5.2۔ لسانی نفسیات کا لحاظ

آپ ﷺ الفاظ کے انسانی لاشعور پر اثرات سے بخوبی واقف تھے۔ جب آپ ﷺ نے طبیعت کی خرابی کے لیے "لقست نفسی" کی تعبیر دی، تو مقصد یہ تھا کہ انسان مایوسی، پستی اور کمتری کے احساس سے بچ سکے۔ یہ منہج ثابت کرتا ہے کہ الفاظ کا انتخاب انسانی "عزتِ نفس" (Self-esteem) کی حفاظت کے لیے ہونا چاہیے۔

5.3۔ اصطلاحی تشکیلِ نو

آپ ﷺ نے سماج میں مروجہ مادی اصطلاحات (مثلاً رقوب، صرعہ، مفلس) کے لغوی مفہوم کو وسعت دے کر انہیں اخلاقی اور روحانی معانی پہنائے۔ یہ منہج ظاہر کرتا ہے کہ اسلام میں زبان صرف ابلاغ کا ذریعہ نہیں بلکہ اقدار (Values) کی منتقلی کا واسطہ ہے۔

5.4۔ سدِ ذرائع اور ابہام کا تدارک:

ایسی تمام تعبیرات جن سے شرک کا شائبہ ہوتا ہو (جیسے 'ماشاء اللہ وشئت') یا جن سے کسی کی تضحیک کا پہلو نکلتا ہو، آپ ﷺ نے ان کا راستہ پہلے ہی مرحلے پر بند فرما دیا۔ یہ "لسانی پہرے داری" عقیدے اور سماجی امن کے تحفظ کے لیے نبوی منہج کا خاصہ ہے۔

5.5۔ لسانی اشرافیت اور تصنع کی نفی

نبوی منہج نے سجعِ کاہن کی ممانعت اور چرب زبانی (اَلحن بحجتہ) پر تنبیہ کے ذریعے کلام کو بناوٹ، لفاظی اور طبقاتی برتری کے سحر سے آزاد فرمایا۔ آپ ﷺ نے کلام کا معیار مرعوب کن لفاظی کے بجائے سادگی اور ابلاغِ حق کو قرار دیا۔ یہ اصول ثابت کرتا ہے کہ زبان کا اصل مقصد مخاطب پر رعب ڈالنا نہیں بلکہ حقیقتِ حال کو واضح کرنا ہے۔

6۔ نتائج تحقیق

1. نبوی مَنہج صرف ممانعت پر مبنی نہیں بلکہ ہمیشہ ایک بہتر اور پاکیزہ متبادل (Substitution) فراہم کرتا ہے۔
2. زبان سے نکلنے والے الفاظ انسانی لاشعور اور معاشرتی رویوں پر گہرا اثر ڈالتے ہیں، جس کا لحاظ نبوی اصلاحات میں رکھا گیا ہے۔
3. آپ ﷺ نے لغوی الفاظ کو مادی معانی سے نکال کر بلند اخلاقی اور اخروی مفاہیم عطا کیے۔
4. جدید دور کے لسانی بگاڑ کے علاج کے لیے "مَنہج اصلاحِ نبوی ﷺ" بہترین مشعلِ راہ ہے۔

7۔ تجاویز و سفارشات

1۔ **نصاب میں شمولیت:** نبوی مَنہج ابلاغ کو جامعات اور مدارس کے شعبہ علوم اسلامیہ، ابلاغیات (Mass Communication) اور لسانیات کے نصاب کا حصہ بنایا جائے تاکہ طلبہ جدید ابلاغی چیلنجز کا مقابلہ اسلامی اصولوں کی روشنی میں کر سکیں۔

2۔ **جدید میڈیا کے لیے ضابطہ اخلاق کی تشکیل:** الیکٹرانک، پرنٹ اور خصوصاً سوشل میڈیا کے صارفین کے لیے آپ ﷺ کے "اصولِ متبادل" اور "تہذیبِ لسان" کی روشنی میں ایک جامع ضابطہ اخلاق (Code of Conduct) مرتب کیا جائے، جو معاشرتی ہم آہنگی اور عزتِ نفس کے تحفظ کا ضامن ہو۔

3۔ **نفسیاتی و ابلاغی ماہرین کے ساتھ مشترکہ ابحاث:** لسانی نفسیات (Linguistic Psychology) کے جدید ماہرین اور علمائے کرام مل کر کام کریں تاکہ یہ واضح کیا جا سکے کہ نبوی لسانی اصلاحات کس طرح انسانی لاشعور کو منفی اثرات سے پاک کر کے مثبت سوچ (Optimism) کو جنم دیتی ہیں۔

4۔ **عوامی شعور کی بیداری:** مذہبی و سماجی رہنماؤں اور خطباء کو چاہیے کہ وہ عوامی مجالس میں صرف عقائد و عبادات تک محدود رہنے کے بجائے روزمرہ گفتگو میں استعمال ہونے والے نامناسب الفاظ کی تعبیری اصلاح پر بھی توجہ دیں، جیسا کہ بستیوں اور غلاموں کے ناموں کی تبدیلی کے نبوی مَنہج سے ثابت ہے۔

5۔ **ڈیجیٹل لغات اور تعبیری گائیڈ لائنز کی تیاری:** ایک ایسی ڈیجیٹل ڈکشنری یا گائیڈ بک تیار کی جائے جس میں دورِ حاضر کی لایعنی لفاظی، اور منفی اصطلاحات کے مقابلے میں نبوی مَنہج کے مطابق باوقار اور اخلاقی متبادلات (Alternatives) کی فہرست فراہم کی گئی ہو۔

6۔ **مستقبل کے محققین کے لیے راہیں:** اس تحقیق کے دائرہ کار کو وسعت دیتے ہوئے مستقبل کے محققین کے لیے یہ سفارش کی جاتی ہے کہ وہ "جدید کارپوریٹ ابلاغ (Corporate Communication) اور نبوی مَنہج گفتگو" اور "سوشل میڈیا پر اخلاقیاتِ کلام کے چیلنجز" جیسے موضوعات پر انفرادی سطح پر تحقیقی کام کا آغاز کریں۔

حوالہ جات و حواشی

[1] ۔القرآن 4,55۔

[2] ۔ملا علی قاری، نور الدین علی بن محمد، مرقاۃ المفاتیح، دار الفکر، بیروت، 2002ء، ج:9، ص:3691۔

[3] ۔نووی، یحییٰ بن شرف، المنہاج، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، 1392ھ، ج:1، ص:47۔

[4] ۔عینی، بدر الدین، عمدۃ القاری دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ج:2، ص:241۔

[5] ۔ابن عاشور، محمد الطاہر، التحریر والتنویر، الدار التونسیہ، تیونس، 1984ء، ج:19، ص:261؛ ایضاً، ج:26، ص:333۔

[6] ۔القرآن 70,33۔

[7] ۔ابن کثیر،ابوالفداءاسماعیل بن عمر،تفسیر ابن کثیر،دار الکتب العلمیہ،بیروت،1419ھ،ج:6،ص:429۔

[8] ۔ قرطبی،محمد بن احمد،تفسیر قرطبی،دار الکتب المصریہ،قاہرہ،1384ھ،ج:14،ص:251۔

[9] ۔ابن کثیر،تفسیر ابن کثیر،ج:6،ص:429۔

[10] ۔القرآن44,20۔

[11] ۔راغب اصفہانی،ابوالقاسم،حسین بن محمد،تفسیر الراغب الاصفہانی،کلیۃ الدعوۃ واصول الدین،مکہ مکرمہ،1422ھ،ج:3،ص:1230۔

[12] ۔ آلوسی،شہاب الدین محمود بن عبداللہ،روح المعانی،دار الکتب العلمیہ،بیروت،1415ھ،ج:9،ص:19۔

[13] ۔ القرآن5,8,4۔

[14] ۔ قرطبی،تفسیر قرطبی،ج:1،ص:173۔

[15] ۔القرآن104,2۔

[16] ۔ابن کثیر،تفسیر ابن کثیر،ج:1،ص:255۔؛تھانوی،اشرف علی،بیان قرآن مجید،سورت بقرہ،آیت104۔

[17] ۔ابن عاشور،محمد الطاہر،التحریر والتنویر،ج:1،ص:649۔

[18] ۔قرطبی،محمد بن احمد،تفسیر قرطبی،دار الکتب المصریہ،قاہرہ،1384ھ،ج:2،ص:56۔

[19] ۔القرآن93,104,2۔

[20] ۔ قرطبی،تفسیر قرطبی،ج:2،ص:59۔

[21] ۔ابن کثیر،تفسیر ابن کثیر،ج:1،ص:339۔

[22] ۔القرآن23-24,18۔

[23] ۔ قرطبی،تفسیر قرطبی،ج:15،ص:201؛ابن کثیر،تفسیر ابن کثیر،ج:7،ص:114۔

[24] ۔ آلوسی،روح المعانی،ج:15،ص:254۔

[25] ۔القرآن39,18۔

[26] ۔ابن کثیر،تفسیر ابن کثیر،ج:5،ص:155۔

[27] ۔القرآن58,2۔

[28] ۔ مجاہد بن جبر،ابوالحجاج،تفسیر مجاہد،دار الفکر،بیروت،ج:1،ص:207۔

[29] ۔القرآن59,2۔

[30] ۔ قرطبی،تفسیر قرطبی،ج:1،ص:414۔

[31] ۔ابن عاشور،التحریر والتنویر،ج:1،ص:649۔

[32] ۔ملاعلی قاری،نور الدین علی بن محمد،مرقاۃ المفاتیح،ج:1،ص:157۔

[33] ۔ ایضاً،ج:7،ص:3008۔

[34] ۔ عینی،بدر الدین،عمدۃ القاری ج:1،ص:113۔

[35] ۔ سجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، المکتبۃ العصریہ، بیروت، کتاب الادب، باب فی الرجل یقول ماشاء اللہ وشاء فلان، حدیث:4980۔

[36] ۔ملاعلی قاری،مرقاۃ المفاتیح،ج:7،ص:3008۔

[37] ۔ عینی،بدر الدین،عمدۃ القاری ج:24،ص:155۔

[38] ۔ ملاعلی قاری،مرقاۃ المفاتیح،ج:7،ص:3008۔

[39] ۔نووی،یحیی بن شرف،المنہاج،،ج:6،ص:90۔

[40] ۔ ایضاً،ج:6،ص:90۔

[41] ۔ملاعلی قاری،نور الدین علي بن محمد،مرقاۃ المفاتیح،،ج:8،ص:3304۔

42 ۔ مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، دار إحیاء التراث العربي، بیروت، کتاب القدر، باب في الأمر بالقوۃ، حدیث:2664۔

43 ۔ نووی، یحیی بن شرف، المنہاج،، ج:16، ص:215۔

44 ۔ ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح، ج:8، ص:3304؛ عینی، بدر الدین، عمدۃ القاري، ج:24، ص:155۔

45 ۔ ابن حجر العسقلانی، أحمد بن علي، فتح الباري، دار المعرفۃ، بیروت، 1379ھ، ج:13، ص:225؛ نووی، المنہاج، ج:16، ص:216۔

46 ۔ نووی، یحیی بن شرف، المنہاج، ج:14، ص:121۔

47 ۔ عینی، بدر الدین، عمدۃ القاري، ج:22، ص:204۔

48 ۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاري، دار طوق النجاۃ، 1422ھ، کتاب الأدب، باب أبغض الأسماء إلی اللہ، حدیث:6205۔

49 ۔ عینی، عمدۃ القاري، ج:22، ص:205۔

50 ۔ ملا علی قاری، نور الدین علي بن محمد، مرقاۃ المفاتیح،، ج:7، ص:3051۔

51 ۔ نووی، المنہاج، ج:14، ص:122۔

52 ۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاري، کتاب فضائل قرآن مجید، باب نسیان قرآن مجید، حدیث:5032۔

53 ۔ ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح، ج:4، ص:1495۔

54 ۔ نووی، یحیی بن شرف، المنہاج، ج:6، ص:75۔؛ عینی، بدر الدین محمود، عمدۃ القاري، ج:20، ص:23۔

55 ۔ مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، کتاب الألفاظ من الأدب وغیرھا، باب حکم إطلاق لفظۃ العبد والأمۃ، حدیث:2249؛ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاري، کتاب العتق، باب لایقول أحدکم عبدي وأمتي، حدیث:2552۔

56 ۔ ابو داؤد، سلیمان بن الأشعث، سنن أبي داود، کتاب الأدب، باب لایقول المملوک ربي و ربتي، حدیث:4975۔

57 ۔ ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح، ج:7، ص:3002۔

58 ۔ نووی، یحیی بن شرف، المنہاج، ج:15، ص:5۔

59 ۔ نووی، یحیی بن شرف، المنہاج، ج:1، ص:47۔

60 ۔ محمد بن إسماعیل البخاري، صحیح البخاري، کتاب الأدب، باب لا یقل خبثت نفسي، حدیث:6179۔

61 ۔ نووی، المنہاج، ج:15، ص:6۔

62 ۔ ملا علی قاری، نور الدین علي بن محمد، مرقاۃ المفاتیح، ج:7، ص:3002۔

63 ۔ عینی، بدر الدین، عمدۃ القاري، ج:22، ص:159۔

64 ۔ مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، کتاب الألفاظ من الأدب وغیرھا، باب کراھیۃ تسمیۃ العنب کرما، حدیث:2248۔

65 ۔ نووی، یحیی بن شرف، المنہاج، ج:15، ص:4۔

66 ۔ ایضاً، ج:15، ص:4۔

67 ۔ خطابی، حمد بن محمد، معالم السنن، المطبعۃ العلمیۃ، حلب، 1932ء، ج:4، ص:130۔

68 ۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاري، کتاب الأدب، باب تحویل الاسم إلی اسم أحسن منہ، حدیث:6190۔

69 ۔ عینی، بدر الدین، عمدۃ القاري، ج:22، ص:241۔

70 ۔ خطابی، معالم السنن، ج:4، ص:125۔

71 ۔ ایضاً، ج:4، ص:126۔

72 ۔ ملا علی قاری، نور الدین علي، مرقاۃ المفاتیح، ج:5، ص:1738۔

73 ۔ مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب فضل من یملک نفسہ عند الغضب، حدیث:2608۔

74 ۔ نووی، یحیی بن شرف، المنہاج، ج:16، ص:161۔

75 ۔ ملا علی قاری، نور الدین علي بن محمد، مرقاۃ المفاتیح، ج:8، ص:3182۔

[76] ۔بخاری، محمد بن إسماعیل، صحیح البخاري، کتاب الأدب، باب الحذر من الغضب، حدیث:6114۔

[77] ۔عینی، عمدۃ القاري، ج:23، ص:32۔

[78] ۔خطابی، حمد بن محمد، معالم السنن، ج:4، ص:106۔

[79] ۔ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، دار إحیاء الکتب العربیۃ، قاہرہ، کتاب الصدقات، باب من ترک دینا أو ضیاعا، حدیث:2416۔

[80] ۔ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح، ج:6، ص:2423۔

[81] ۔نووی، المنہاج، ج:11، ص:60۔

[82] ۔نووی، یحیی بن شرف، المنہاج، ج:16، ص:135۔

[83] ۔ترمذی، ابو عیسیٰ، السنن، دار الغرب الاسلامی، بیروت، 1998ء، کتاب صفۃ القیامۃ، حدیث:2418۔

[84] ۔نووی، یحیی بن شرف، المنہاج، ج:16، ص:135۔

[85] ۔بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاري، کتاب الرقاق، باب القصاص یوم القیامۃ، حدیث:6515؛ مسلم، صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، حدیث:2581۔

[86] ۔ملا علی القاری، مرقاۃ المفاتیح، ج:8، ص:3201۔

[87] ۔عینی، بدر الدین محمود بن احمد، عمدۃ القاري، ج:24، ص:155۔

[88] ۔مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم، کتاب القسامۃ، باب دیت الجنین، حدیث:1681۔

[89] ۔نووی، یحیی بن شرف، المنہاج، ج:11، ص:176۔

[90] ۔ایضاً، ج:11، ص:178۔

[91] ۔ملا علی قاری، نور الدین علي بن محمد، مرقاۃ المفاتیح، ج:7، ص:3008۔

[92] ۔عینی، بدر الدین، عمدۃ القاري، ج:24، ص:155۔

[93] ۔عینی، عمدۃ القاري، ج:13، ص:272؛ ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح، ج:6، ص:2419۔

[94] ۔نووی، یحیی بن شرف، المنھاج، ج:12، ص:4؛ عینی، عمدۃ القاري، ج:24، ص:155۔

[95] ۔نووی، المنھاج، ج:12، ص:4۔

[96] ۔ابو داؤد، سنن أبي داؤد، کتاب الأدب، باب في حسن العشرۃ، حدیث:4788۔

[97] ۔ابن حجر العسقلانی، أحمد بن علي، فتح الباري، ج:10، ص:514؛ عینی، عمدۃ القاري، ج:22، ص:241۔

[98] ۔نووی، المنھاج، ج:15، ص:83۔

[99] ۔بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الطب، باب الفال، حدیث:5756۔

[100] ۔ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح، ج:7، ص:2896۔

[101] ۔نووی، المنہاج، ج:14، ص:222۔

[102] ۔عینی، عمدۃ القاري، ج:21، ص:241۔

[103] ۔ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح، ج:7، ص:3008۔